© rasailojaraid.com

ڈاکٹر خالد علوی

علم اصُول الحدیث — مختصر تعارف

علم الحدیث اور اس کی روایت اشرف ترین کام ہے، کیوں کہ دین و دنیا میں قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ اہم حدیث رسولﷺ ہے. حدیث اسلامی زندگی کی دوسری اساس اور اصول احکام کے استنباط کا دوسرا اہم ذریعہ ہے۔ علمائے امت کے نزدیک حدیث سے تعلق و شغف ایمان کی علامت اور اس سے لاتعلقی و نفرت نفاق کی دلیل ہے. ملحدین و منکرین کے لیے سماع حدیث، اس کی روایت اور اس کی اسناد کے بیان سے زیادہ بھاری کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر علمائے اسلام نے خدمت قرآن کے بعد خدمت حدیث کو اشرف ترین علمی شغل قرار دیا. علم الحدیث بے پناہ وسعتوں کا حامل ہے. اس کے اصول و احکام، اس کی اصطلاحات و اوضاع اور اس کے متون و اسانید کی معرفت کے بغیر علمی گہرائیوں کا ادارک نہیں ہو سکتا. علمائے حدیث نے معرفت حدیث کے لیے اصول و ضوابط طے کیے گئے اور انواع و اقسام حدیث پر مفصل بحثیں کیں۔ اس سے پہلے کہ ہم ان اصول و قواعد کی تفصیلات کا ذکر کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم اصطلاحات کی وضاحت کر دی جائے۔

حدیث و خبر

حدیث لغوی اعتبار سے قدیم کی ضد ہے اور کم یا زیادہ دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے[۱] اسے مطلق قول و بیان اور خبر کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے. قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

[۱] لسان العرب ۲ : ۱۳۳ ؛ الخلاصہ ، ۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ٥
(الکہف: ۶)

(اے پیغمبر) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ٥ (المرسلات: ۵۰)

اب اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے

مطلق بیان کر دینے کے مفہوم کو اس آیت میں واضح کیا گیا ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ٥ (الضحیٰ: ۱۱)

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔

اصطلاح میں جو چیز قولاً، فعلاً، تقریراً یا وصفاً نبی کریمؐ کی طرف منسوب ہو[۱] اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ محدثین نے اقوال صحابہ و تابعین اور ان کے افعال و تقاریر پر بھی اس کا اطلاق کیا ہے[۲] حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں حدیث کی تعریف میں کہا ہے کہ حدیث وہ ہے جس کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف ہو[۳]

خبر کے مطلق بیان میں اس کے صدق و کذب کے متحمل ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔[۴] اصطلاحاً خبر وہ ہے جس کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو۔[۵] حدیث و خبر کے سلسلے میں علما کے تین اقوال منقول ہیں۔

۱۔ جمہور علما کے نزدیک خبر و حدیث مترادف ہیں[۶]، سو ان کا اطلاق مرفوع، موقوف اور مقطوع پر ہوتا ہے[۷]۔

۲۔ بعض کا خیال ہے کہ حضور اکرمؐ سے مروی قول حدیث ہے اور جو غیر سے مروی ہو وہ خبر ہے، اس لیے مورخ اور واقعات نگار کو اخباری اور حدیث سے بحث کرنے والے کو محدث کہتے ہیں۔[۸]

---

[۱] تدریب، ۴: شارح بخاری علامہ کرمانی نے خصوصی تعریف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "ما اضیف الی النبیؐ من قول اُو فعل او تقریرا و وصف خَلقی او خُلقی"۔ الکواکب الدراری، ۱: ۱۲۔ [۲] الخلاصہ، ۳۰، [۳] تدریب: ۴۔ [۴] شرح المفصل، ۱: ۸۷، [۵] شرح نخبۃ الفکر، ۱۸ [۶] ایضاً۔ [۷] تدریب، ۶
مرفوع وہ خبر ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو، موقوف وہ جو صحابی تک اور مقطوع وہ جو تابعی تک پہنچتی ہو۔ [۸] شرح نخبۃ الفکر، ۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ خبر و حدیث کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ اس اعتبار سے ہر حدیث خبر ہے، لیکن ہر خبر کے لیے حدیث ہونا ضروری نہیں[10]

اثر

محدثین مرفوع اور موقوف روایت کو اثر کا نام دیتے ہیں، جب کہ فقہائے خراسان موقوف کو اثر اور مرفوع کو خبر کہتے ہیں[11] اسی طرح خبر اور اثر کو مرادف معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور مغائر میں بھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث، خبر اور اثر مختلف معانی میں استعمال ہونے کے باوجود محدثین کے نزدیک ایک معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ سے جو حضور اکرمؐ کی طرف قولاً[12]، فعلاً[13]، تقریراً[14] یا وصفاً[15] منسوب ہو، اسی طرح صحابی اور تابعی کی طرف منسوب ہو۔

---

[10] شرح نخبۃ الفکر ص ۱۹

[11] ابن الصلاح، ۴۲ : التقریب، ۶ [12] مثال حدیث : "انما الاعمال بالنیات ....." ہے، بخاری، ۱ ؛ مسلم، (الامارۃ) ۶ : ۴۸ [13] حدیث فعلی کی مثال، آنحضرت کے نفلی روزوں کے بارے میں حضرت عائشہ کا قول : "کان یصوم حتی نقول : لا یفطر، ویفطر حتی نقول : لا یصوم" بخاری (صوم شعبان)، ۳ : ۳۸ ؛ مسلم (صیام النبی)، ۳ : ۱۶۰ - ۱۶۱ -

[14] حدیث تقریری کی مثال ابن عمرؓ کی روایت ہے "قال : قال النبیؐ لنا لما رجع من الاحزاب : "لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ فادرک بعضھم العصر فی الطریق فقال بعضھم : لا نصلی حتی ناتیھا، وقال بعضھم بل نصلی، لم یرد منا ذلک، فذکر للنبیؐ فلم یعنف واحداً منھم" بخاری (صلوٰۃ الخوف)، ۲ : ۱۵، مسلم (المغازی) ۵ : ۱۶۲۔

[15] وصف سے وصف خُلقی اور وصف خَلقی دونوں مراد ہیں۔ وصف خُلقی کی مثال : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان ..... بخاری، ۱ ..... مسلم (الفضائل) ۲ : ۷۳ اور وصف خَلقی کی مثال : "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھۃ واحسنہ خلقاً لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر ....."، بخاری (صفۃ النبیؐ)، ۴ : ۱۸۸ ؛ مسلم (فضائل) ۷ : ۷۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت

لغوی اعتبار سے سنت سے مراد سیرت اور طریقہ ہے، خواہ یہ طریقہ اچھا ہو یا برا[۱۶]

اصطلاحاً اس کے بہت سے اطلاقات ہیں مثلاً

۱۔ نبی اکرمؐ کی سیرت خواہ اس کا تعلق بعثت سے قبل سے ہو یا بعد سے[۱۷]

۲۔ حدیث کے مرادف استعمال ہوتی ہے[۱۸]

۳۔ کبھی اس امر کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کی دلیل کتاب و سنت میں موجود ہو۔

۴۔ کبھی اسے بدعت کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے[۱۹]

---

[۱۶] لسان العرب، ۱۷: ۸۹۔ اسی سے نبی کریمؐ کے اس ارشاد کی تعبیر ہو سکتی ہے: "من سنّ فی الاسلام سُنّۃً حسنۃ فلہ أجرہا وأجر من عمل بہا بعدہ من غیر أن ینقص من أجورہم شیء" و "من سنّ فی الإسلام سُنّۃ سیئۃ فعلیہ وزرہا ووزر من عمل بہا"۔ مسلم، ۳: ۸۷

[۱۷] بعثت سے پہلے آپ کے حسنِ سیرت کا بیان جیسے سیدہ خدیجہؓ کا قول: "کلا واللہ لا یُخزیک اللہ ابداً: انک لتصل الرحم، وتحمل الکل وتقری الضیف، وتکسب المعدوم وتعین علی نوائب الحق..."
مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱: ۱۸

[۱۸] اس لحاظ سے سنت کے وہ تمام اطلاقات ہوں گے جو حدیث قولی، فعلی، تقریری اور وصفی کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں: قولی: "من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ" ترمذی: فعلی میں وہ تمام افعال جو عبادات کے ضمن میں منقول ہوئے ہیں، اور تقریر کے سلسلے میں معاذ بن جبل کے طرز عمل کی منظوری کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے: قال لہ: کیف تقضی اذا عرض لک قضاء؟ قال: اقضی بکتاب اللہ، قال: فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال: فبسنۃ رسول اللہؐ، قال: فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتہد برأیی ولا آلو، فضرب رسول اللہؐ صدرہ وقال: "الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ"۔ ابو داؤد، ۳: ۲۱۲۔

[۱۹] بدعت کے لغوی معنی اختراع کے ہیں (لسان العرب) علمائے اصول کے نزدیک بدعت سے مراد ایسا طریق ہے جسے پہلے کسی نے اختیار نہ کیا ہو۔ قرآن پاک نے اس مفہوم کو بیان کیا ہے: "قل ما کنت بدعاً من الرسل"، الاحقاف: ۹۔ شریعت کی اصطلاح میں بدعت سے مراد ہر وہ قول و عمل ہے جسے لوگ دین میں متعارف کرائیں اور اس کا ثبوت حضور اکرم اور صحابہ کے عہد میں نہ ہو۔ اس کی دلیل حضورؐ کا یہ ارشاد ہے: "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ فقہا اسے اس امر کے لیے استعمال کرتے ہیں جو واجب نہ ہو۔

۶۔ سنت کا اطلاق کبھی تعامل صحابہ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ عمل قرآن پاک کی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل پر مبنی ہو یا ان حضرات کا اجتہاد ہو اس کی دلیل آپؐ کی احادیث ہیں۔ مثلاً:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسکوا بها وعضوا عليها بالنواجذ ۲۵

پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ راست رو خلفا کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ اسے تھامے رہو اور مضبوطی سے پکڑے رکھو۔

تفترق امتي على ثلاث وسبعين فرقة كلها في النار الا واحدة" قالوا : ومن هم يارسول الله؟ قال :- ما أنا عليه واصحابي" ۲۶

میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، ایک کے سوا سب آگ میں جائیں گے۔ انھوں نے کہا: وہ ایک کون ہیں یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا۔ وہ ہیں۔ (اس راہ پر چلنے والے) جس پر میں اور میرے صحابہ عمل پیرا ہیں۔

عمل صحابہ کو احکام میں سنت کی حیثیت سے مدار استدلال بنایا گیا اور اسے بطور اساس کے تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی مثال "حد الخمر" ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں اجتہاد کی بنیاد پر حد متعین کی گئی اور

فهو رد"، مسلم، ۳: ۔ ابوداود، ۴: ۱۱۸۰ "من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد"، مسلم، ۳: ۔؛ انہی معنوں میں سنت بدعت کے مقابلے میں استعمال ہوتی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں،

ما خالفت الكتاب والسنة او اجماع سلف الامة من الاعتقادات والعبادات، كاقوال الخوارج والروافض والقدرية والجهمية، كالذين يتعبدون بالرقص والغناء بالمساجد۔

جو کتاب وسنت کے مخالف ہو یا اعتقادات وعبادات میں اجماع سلف سے متعارض ہو۔ جیسے خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ کے اقوال۔ یا ان لوگوں کے اعمال جو مساجد میں رقص وغنا سے عبادت کرتے ہیں۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱: ۳۴۶)

۲۵ بخاری، ۶: ۱۸۳؛ مسند احمد، ۱: ۱۰، ۱۳

۲۶ ابوداود، ۴: ۲۷۶؛ ابن ماجہ، ۲: ۱۳۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت مسلمہ نے اس اجتہاد کو بطریق اجماع قبول کیا ہے[۲۲]

۷۔ سنت ایک اور اطلاق کے لحاظ سے حدیث سے مختلف معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور سنت سے مراد صدرِ اوّل کا منقول عمل ہے۔ اس لیے علما کے ہاں حدیث و سنت میں اختلاف کی صورت میں توفیق پیدا کرنے کی کوششیں موجود ہیں اور عبدالرحمٰن بن مہدی[۲۳] کا قول اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔

لم أر احداً قط اعلم بالسنة ولا بالحديث الذی يدخل فی السنة من حماد بن زيد[۲۴]

میں نے کسی شخص کو سنت اور حدیث، جو سنت میں داخل ہے، کے سلسلے میں حماد بن زید سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔

شاہ ولی اللہ رح نے "المصفی علی الموطا" کے مقدمے میں عبدالرحمٰن بن مہدی کے اس قول کہ سفیان الثوری[۲۵] امام فی الحدیث والاوزاعی[۲۶] امام فی السنة ومالک[۲۷] امام فیهما جمیعاً[۲۸]

۲۲۔ الموطا، ۲: ۸۴۲ : اعلام الموقعین، ۱: ۲۱۱۔ ۲۳۔ ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان العنبری البصری (۱۳۵-۱۹۸ھ) حدیث اور جرح وتعدیل کے امام تھے۔ امام شافعی رح کے بقول دنیا میں ان کی نظیر نہیں۔ تہذیب التہذیب، ۶: ۲۷۹؛ تقدمة الجرح والتعدیل، ۲۵۱۔ ۲۴۔ تقدمة الجرح والتعدیل، ۱۷۷۔ ابو اسماعیل حماد بن زید بن درہم الازدی البصری (۹۸-۱۷۹ھ) اپنے زمانے کے شیخ عراق تھے۔ تابعین سے علم حاصل کیا اور حدیث وفقہ میں امتیاز حاصل کیا۔ نابینا عالم تھے اور بے شمار لوگوں نے ان سے روایت کی۔ امام احمد کے بقول ان کا شمار ائمۂ مسلمین میں ہوتا ہے۔ تذکرة الحفاظ، ۲۰: ۲۱۲؛ تہذیب التہذیب، ۳: ۹۔ ۲۵۔ ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری (۹۷-۱۶۱ھ) اپنے زمانے کے حافظ حدیث متبحرِ عالم اور امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے ملقب، صاحب تصانیف اور اہل اقتدار سے کنارہ کشی کرنے والے بزرگ ہیں تذکرة الحفاظ، ۱: ۱۹۰-۱۹۲، تہذیب التہذیب، ۴: ۱۱۱۔ ۲۶۔ ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو الدمشقی الاوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ) کبارِ تابعین سے سماع حدیث کیا۔ اپنے زمانے میں اہل شام کے امام تھے۔ حدیث وفقہ میں گہرے رسوخ کے مالک اور صاحب تصانیف تھے۔ ان سے امام مالک شعبہ بن الحجاج اور سفیان الثوری جیسے اہل علم نے روایت کیا۔ طبقات ابن سعد، ۷، قسم ۲: ۱۸۵؛ تذکرة الحفاظ، ۱: ۱۶۸؛ تہذیب ۶: ۲۳۸۔ ۲۷۔ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک الاصبحی (۹۳-۱۷۹ھ) امام دارالہجرة۔ اپنے زمانے کے ثقہ امام تھے، کبار تابعین سے سماع علم کیا۔ جلیل القدر عالم جو اہل اقتدار سے ہمیشہ دور رہے۔ صاحب تصانیف۔ ان کی کتاب مؤطا بہت عمدہ کتاب حدیث ہے۔ تہذیب، ۱۰: ۵؛ تقدمة الجرح والتعدیل، ۱۰۔ ۲۸۔ زرقانی علی الموطا، ۱: ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(سفیان ثوری حدیث کے امام ہیں، اوزاعی سنت کے اور امام مالک دونوں کے امام ہیں) کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: استنباط معانی و فتاوی میں سلف کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ قرآن حدیث اور آثار صحابہ کو جمع کرتا اور اس سے استنباط کرتا، یہ محدثین کا طریقہ تھا۔ دوسرا گروہ ان قواعد کلیہ کا احاطہ کرتا جنھیں ائمہ کی جماعت نے منقح کیا تھا اور جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو یہ اس کا جواب ان قواعد سے حاصل کرتے، یہ فقہا کا طریقہ تھا۔ بعض سلف پر پہلا طریق غالب تھا اور بعض پر دوسرا۔ چونکہ امام مالک کے نزدیک سنت کی تعبیر ان قواعد سے ہے جو اہل مدینہ کے ہاں ثابت تھے اس لیے وہ کہتے ہیں "سنت جس کے سلسلے میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں یہ ہے"۔ عبدالرحمن بن مہدی نے اسی بنا پر یہ اصطلاح وضع کی کہ ثوری ابواب فقہ پر باب سے متعلق احادیث و آثار کا استحضار رکھتے تھے اور اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، اوزاعی ہر باب فقہ میں سلف کے قواعد کی معرفت رکھتے تھے اور اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور مالک دونوں کے جامع تھے اور اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔[۲۹]

سند

لغت میں سند سے مراد زمین سے ابھری ہوئی جگہ۔ پہاڑ کی اونچی جگہ۔ اس سے مراد مطلق پناہ گاہ ہے[۳۰] عربی محاورہ ہے "فلان سَنَدٌ لفلان"۔ یعنی فلاں شخص اس کا ملجا و معتمد ہے۔[۳۱] جو کہ راوی اپنی بات کو آخری حد تک پہنچاتا ہے یا وہ ذریعہ جس سے خبر پہنچی ہے قابل اعتماد ہوتا ہے اس لیے حفاظ حدیث اسے سند کہتے ہیں۔ اصطلاحاً متن تک پہنچنے کے طریق کو سند کہتے ہیں[۳۲] بعض علما کے نزدیک اس سے مراد طریق متن کی مطلق خبر دینا ہے[۳۳] اور اس کی جمع اسناد ہے۔ "الاسناد" سے مراد حدیث کو اس کے بیان کنندہ تک پہنچانا ہے[۳۴] علامہ طیبی کے بقول حدیث کی صحت و ضعف پر اعتماد حفاظ کے لحاظ سے دونوں متقارب ہیں[۳۵] وہ محدثین سند اور اسناد دونوں کو ایک شے کے لیے استعمال کرتے ہیں[۳۶]۔ اسناد کی حیثیت و اہمیت کے بارے میں عبداللہ بن مبارک[۳۷] کا قول بنیادی حیثیت رکھتا ہے!

---

[۲۹] المصفی علی الموطا، [۳۰] لسان العرب، ۳: ۲۲۰ (مادہ سند) [۳۱] ایضاً [۳۲] الخلاصہ، ۳۰: تدریب، ۵-۶ [۳۳] ایضاً [۳۴] ایضاً شرح الزرقانی علی البیقونیہ، ۹۔ [۳۵] الخلاصہ، ۳۰ [۳۶]۔ تدریب، ۵،

[۳۷] عبداللہ ابن المبارک بن واضح الحنظلی بالولاء، ابو عبداللہ الحافظ (۱۱۸-۱۸۱) شیخ الاسلام، مجاہد، تاجر اور صاحب تصنیف بزرگ تھے، اولین مصنف جنھوں نے زہد و رقائق میں تصنیف کی۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱: ۲۵۳؛ حلیہ: ۸: ۱۶۲؛ شذرات، ۱: ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاسناد من الدین، ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء[۳۸]

اسناد دین ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جی چاہتا اور جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔

سفیان ثوری اور اوزاعیؒ سے بھی اسناد کے بارے میں اقوال منقول ہیں۔

قال سفیان الثوری: الاسناد سلاح المؤمن۔ اذا لم یکن معہ سلاح فبای شئ یقاتل[۳۹]

سفیان ثوری نے کہا: اسناد مومن کا ہتھیار ہے۔ جب اس کے پاس ہتھیار نہ ہو تو کس چیز سے قتال کرے گا۔

متن

لغت میں متن کے مختلف معنی آتے ہیں۔ اس کا اطلاق سخت اور بلند زمین پر بھی ہوتا ہے[۴۰] اور ٹالنے اور دور کرنے پر بھی؛ اس میں غالب ہونے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے[۴۱] علامہ طیبی کہتے ہیں متن کے معنی قوی کے ہیں اور اسی سے "الحبل المتین" استعمال ہوتا ہے۔ چوں کہ متن سے مراد وہ شے ہے جس سے کوئی چیز قوی ہوتی ہے، جیسے انسان اپنی پشت کے سہارے کھڑا ہوتا اور قوت حاصل کرتا ہے، سو متن سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے معانی قائم ہوتے ہیں[۴۲] ابن جماعہ کے بقول محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد:

ھو ما ینتھی الیہ غایۃ السند من الکلام[۴۳]

متن وہ ہے جس پر کلام کی سند ختم ہو

۳۸ھ معرفۃ علوم الحدیث، ۶: الالماع، ۱۹۴۔

۳۹ھ کتاب المجروحین ۱۹؛ قال الاوزاعی: "ما ذھاب العلم الا ذھاب الاسناد" شرف اصحاب الحدیث ۴۲: الکفایہ، ۳۹۳

۴۰ھ لسان العرب ۱۳/ ۳۹۸ (مادہ متن)

۴۱ھ ایضاً

۴۲ھ علامہ طیبی کے الفاظ ہیں: فمتن الحدیث الفاظ التی یتقوم بھا المعانی۔ الخلاصہ، ۳۰

۴۳ھ تدریب، ۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ طیبی کا کہنا ہے کہ متن حدیث کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول صحابی کا قول ہے یا صرف کلام رسول۔ پہلی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیوں کہ سنت قول و فعل اور تقریر کا نام ہے اور علمائے سلف نے اقوال صحابہ و تابعین اور ان کے آثار و فتاویٰ پر حدیث کا اطلاق کیا ہے۔[۴۴]

متن و سند آپس میں لازم و ملزوم ہیں، اسی لیے ان کی تعریف کرتے وقت ایک دوسرے کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے۔ سند و متن کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، گویا سند نام ہے طریق متن کی حکایت کا اور متن وہ مقصود ہے جہاں پر سند ختم ہو جاتی ہے[۴۵] دوسرے الفاظ میں بیان کرنے والے کے طریقے اور سلسلے کو سند کہا جاتا ہے اور بیان کرنے والے کے مقصود و منتہا کو متن کا نام دیا جاتا ہے۔ سند و متن کی پیوستگی کی مثالیں وہ احادیث ہیں جو کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ایک مثال درج ذیل ہے۔

حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب قال حدثنا ابوالزناد عن الأعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ[۴۶]

ابوالیمان بیان کرتے ہیں کہ انھیں شعیب نے خبر دی کہ ہم سے ابوالزناد نے اعرج سے اور انھوں نے ابوہریرہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اسی ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک میری ذات اس کے لیے اس کے والد اور بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

ابوالیمان سے ابوہریرہ تک کے حصے کو سند اور اس سے اگلے حصے کو متن کہا جاتا ہے۔

طالب الحدیث وہ شخص ہے جس نے طلب حدیث کا آغاز کیا ہو۔

مسند

نون کی زیر سے مسند سے مراد وہ شخص ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرتا ہے، مسند

---

۴۴ شرح نخبۃ الفکر، ۱۹؛ تدریب، ۵-۶ ۴۵ ایضاً ۴۶ بخاری کتاب الایمان، ۱:۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے ضروری نہیں کہ اسے روایت کا حقیقی علم بھی حاصل ہو، اس کے لیے مجرد روایت کرنا ہی کافی ہے۔[۴۷]

محدث و حافظ

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ محدث اور حافظ دونوں کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنھوں نے اخذ احادیث اور جمع احادیث کے لیے سفر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا ہو۔[۴۸] علماء محدثین نے ان کی تعریف اور شرائط کے تعین میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ علامہ سُبکی، ابن سیدالناس، حافظ مزی، علامہ زرکشی، حافظ عراقی اور علامہ قاری وغیرہ ہم نے اس پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ ان کے اقوال سے مستفاد مفہوم کو مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

محدث وہ ہے جس نے متون احادیث اور ان کے اصول حاصل کیے، متعدد کتب کا سماع کیا، اسانید علل اور اسماء الرجال کی معرفت حاصل کی اور ان میں خوب مہارت حاصل کی۔ ابن الجزری کے بقول محدث وہ ہے جو روایت کے لحاظ سے حامل حدیث ہو اور جسے درایت حدیث میں خصوصی درک حاصل ہو۔[۴۹] محدث کے لیے علم الحدیث کی مہارت ضروری ہے تاکہ حدیث کے فہم اور اس کے تعین میں دقت نہ ہو۔[۵۰]

حافظ وہ ہے جس نے مذکورہ بالا شرائط میں وسعت حاصل کرنے کے بعد احادیث کی کثیر تعداد کو حفظ کیا اور رجال کو طبقہ بہ طبقہ اس طرح محفوظ کیا ہو کہ ان کے احوال، تراجم اور ان کے شہروں کی پوری معرفت حاصل کی ہو، حافظ کا درجہ محدث سے اونچا ہے، ابن الجزری کے الفاظ ہیں۔

الحافظ: من روی مایصل الیه ووعیٰ مایحتاج لدیه[۵۱]

حافظ وہ ہے جس نے اس علم کو روایت کیا جو اس تک پہنچا اور جس کی احتیاج محسوس کی اسے حفظ کیا۔

۴۷؎ تدریب، ۷

۴۸؎ ایضاً

۴۹؎ شرح الشرح، ۳

۵۰؎ تدریب، ۷۔

۵۱؎ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض متاخرین نے کہا ہے کہ حافظ وہ ہے جس نے متن و سند کے ساتھ ایک لاکھ حدیثیں حفظ کی ہوں۔
حافظ مزی نے کہا ہے کہ حافظ وہ ہے جس سے کوئی محفوظ حدیث ضائع نہ ہو[۵۲]

حجۃ

حجۃ کا اطلاق حافظ پر ہی ہوتا ہے لیکن اس وقت جب اسانید و متون کے حفظ میں اسے اتقان حاصل ہو اور تمام معاملات پر گہری نظر رکھتا ہو۔ متاخرین کے ہاں حجۃ کی تعریف میں یہ شرط بیان کی گئی ہے کہ اسے تین لاکھ احادیث مع سند و متن کے یاد ہوں۔[۵۳]

حاکم

اگر تمام مروی احادیث مع سند و متن کے محفوظ رکھے اور اسے جرح و تعدیل اور تاریخ کا ادراک بھی ہو تو وہ حاکم کہلائے گا[۵۴] احادیث کے احاطہ کرنے میں معمولی سی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

محدثین کے نزدیک حفظ کی اہمیت تیسری صدی ہجری تک ہے کیوں کہ چوتھی صدی تک تخریج احادیث کا کام تقریباً مکمل ہو گیا تھا اور اس طرح اسناد کا انحصار سماعِ کتب پر تھا اور مدوّنہ کتابوں پر اعتماد بڑھ گیا تھا۔

امیر المؤمنین فی الحدیث

یہ لقب سب سے اونچا ہے اور اس کا مستحق وہ محدث ہے جو حفظ و اتقان، تعمق فی الحدیث اور معرفت علل میں سب سے فائق ہو حتیٰ کہ اس کے ہم عصر تمام مسائل حدیث میں اس کی طرف رجوع کریں۔ اس لقب سے ملقب معروف محدثین میں ابو الزناد، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، شعبہ بن الحجاج، سفیان الثوری، حماد بن سلمہ، عبد اللہ بن مبارک، مالک بن انس، احمد بن حنبل، بخاری مسلم اور متاخرین میں حافظ ابن حجر عسقلانی ایسے لوگ شمار ہوتے ہیں[۵۵]

۵۲ؐ تدریب، ۷۔

۵۳ؐ ایضاً، حاشیہ لقط الدرر، ۵   ۵۴ؐ تدریب، ۷

۵۵ؐ تذکرہ الحفاظ، ۱: ۱۲۷؛ تقدمۃ الجرح والتعدیل، ۱۱-۱۳، ۱۲۸، ہدیۃ المغیث فی امراء المؤمنین فی الحدیث، ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تمام مراتب فی الحقیقت محدث کے وسعت علم اور اتقان کی بنا پر طے ہوتے ہیں۔ ایک محدث جوں جوں تعمق فی الحدیث اور معرفت علل میں رسوخ حاصل کرتا جاتا ہے توں توں اس کا مرتبہ بڑھتا جاتا ہے۔ امام نووی نے وہ امور بیان کیے ہیں جو محدث کے لیے ناگزیر ہیں۔

لیس المراد من ھذا العلم مجرد السماع ولا الاسماع ولا الکتابۃ، بل الاعتناء بتحقیقہ والبحث عن خفی معانی المتون والاسانید ودوام الاعتناء بہ، ومراجعۃ اھل المعرفۃ بہ، ومطابقۃ کتب اھل التحقیق منہ وتقیید ما حصل من حصل من نفائسہ[۵۶]

اس علم سے مراد نہ تو مجرد سماع ہے نہ محض سننا اور لکھنا بلکہ اس کی تحقیق کی طرف توجہ دینا ہے اور متون و اسانید میں جو کچھ مخفی ہے اسے تلاش کرنا ہے۔ مسلسل اعتناء اور اہل معرفت کی طرف رجوع کرنا ہے اور اس میں محققین کی کتب سے مطابقت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حاصل شدہ عمدہ حقائق کو ضبط کرنا ہے۔

حافظ سیوطیؒ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وقال ابو شامۃ: علوم الحدیث الآن ثلاثۃ اشرفھا حفظ المتون ومعرفۃ الغریب من وفقھھا والثانی: حفظ اسانیدھا ومعرفۃ رجالھا وتمییز صحیحھا من سقیمھا وقد کفی المشتغل بالعلم ما صنف فیہ من الکتب۔

والثالث: جمع الحدیث وکتابتہ او سماعہ وطلب العلم فیہ والرحلۃ الی البلد ان من اجلہ ولا باس لما فیہ من بقاء سلسلۃ الاسناد المتصلۃ الی اشرف البشر۔ والاسناد خصیصۃ ھذہ الامۃ المرحومۃ[۵۷]

ابو شامہ نے کہا: آج کل علوم الحدیث کا اطلاق تین امور پر ہوتا ہے، ان میں سب سے بہتر متون کا حفظ کرنا، اس کے غریب الفاظ کی معرفت اور اس کی فقہ کا ادراک ہے۔ دوسرے اس کی اسانید کا حفظ، اس کے رجال کی معرفت اور اس کے سقیم اور صحیح کی تمیز ہے۔ نیز اس علم میں جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں وہ ایک طالب علم کے لیے کافی ہیں۔

---

۵۶ مقدمہ شرح مسلم

۵۷ تدریب ۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسرے حدیث کا جمع کرنا، لکھنا اور سماع ہے۔ نیز سند عالی کا حاصل کرنا اور اس کے لیے مختلف شہروں کا سفر کرنا ہے۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس کے ذریعے اشرف البشرؐ تک سلسلہ اسناد کی بقا ہے اور اسناد اسی امت مرحومہ کی خصوصیت ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، رجال پر تصنیفات اس کے لیے کافی نہیں کیوں کہ حفظ متون، معرفت غریب اور فقہ الحدیث پر تصانیف کی تعداد زیادہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دوسری صف میں اشتغال وانہماک زیادہ اہم ہے۔ اس کی حیثیت پیڑھی کی ہے جو اس سے محروم ہوا اس نے صحیح کو سقیم سے ملا دیا۔ دراں حالیکہ اسے اس کا احساس بھی نہ ہوا ہو[۵۸]۔

حدیث کے طالب علم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ متن حدیث پر بالذات بحث کم ہوتی ہے، زیادہ بحث اس کی قوت وضعف سے متعلق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی قوت، ضعف اور درمیانی کیفیت کا انحصار اس کے راویوں کے اوصاف، عدالت، ضبط اور ان کے درمیان اختلاف پر ہے، یا سند کے اتصال، انقطاع، ارسال اور اضطراب پر ہے۔ اس نقطۂ نظر سے متقدین کی تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو چار امور سامنے آتے ہیں[۵۹]۔

۱۔ اقسام وانواع حدیث۔

۲۔ اوصاف الرواۃ (راویوں کے اوصاف)

۳۔ تحمل الحدیث وطرقہا (نقل حدیث اور اس کے طریقے)

۴۔ اسماء الرجال اور ان کے انساب

علوم الحدیث کے سلسلے میں محدثین نے کثیر تعداد کا ذکر کیا ہے۔ امام حاکم نے علوم الحدیث کی باون (۵۲) انواع کا ذکر کیا ہے[۶۰]۔ حافظ ابن الصلاح نے پینسٹھ (۶۵) اقسام بیان کی ہیں[۶۱]۔ حافظ ابن کثیر

۵۸؎ ایضاً

۵۹؎ الخلاصہ

۶۰؎ معرفۃ علوم الحدیث

۶۱؎ مقدمہ ابن الصلاح ۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کہا ہے کہ کثرت انواع کو مناسب حد تک کم کیا جا سکتا ہے[۶۲] لیکن علامہ سیوطیؒ کے بقول ان کی تعداد کثیر ہے[۶۳] اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں خاص اسلوب اختیار کیا ہے جو متقدمین کے انداز بیان سے مختلف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کی انواع و اقسام کے سلسلے میں بھی جدید انداز اختیار کیا ہے اور علوم الحدیث کے بیان کی ترتیب بھی بدل دی ہے۔ یوں شرح نخبۃ الفکر کا انداز بیان اختصار و ایجاز اور مجتہدانہ آرا کے علاوہ ترتیب مواد میں بھی منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ علوم الحدیث کی متنوع بحثوں کو سمیٹ کر مختصر انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ معاصر علمائے حدیث نے اس سلسلے میں نفع بخش کاوشیں کی ہیں۔ طلبائے حدیث کے لیے ان سے استفادہ آسان اور علوم الحدیث کی مشکل بحثیں سہل اور عام فہم ہو گئی ہیں۔

۶۲ے اختصار علوم الحدیث، ۲۰

۶۳ے تدریب، ۱۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعه خصوصی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com